ہندوستانی مدارس میں اسلامی اقتصادیات کی تعلیم☆

خالد سیف اللہ رحمانی

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین و علیٰ آلہ و صحبہ أجمعین . أما بعد !

جناب صدر، بزرگانِ محترم، برادرانِ عزیز! یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے اور اس حقیقت پر گذشتہ اورموجودہ تاریخ کی شہادت ثبت ہے کہ ملتِ اسلامیہ کے لئے افراد سازی کا سب سے بڑا مرکز دینی مدارس ہیں اوراب ان مدارس کی اہمیت کومشرق سے مغرب تک اوراپنوں سے بے گانوں تک محسوس کیا جاتا ہے، خاص کر ہندوستان میں تحریکِ مدارس کا بڑا نمایاں رول رہا ہے، اس ملک کوآزاد کرانے میں علماء نے جو ناقابل فراموش کاوشیں کی ہیں اوراس راستہ میں بلاتامل دارورسن کو گلے لگایا ہے، وہ ایک زندہ حقیقت ہے،افسوس کہ اسے فراموش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

گذشتہ ڈیڑھ سوسال سے نہ صرف ہندوستان میں؛ بلکہ پوری دنیا میں جو باطل تحریکات اُٹھی ہیں، ان کا سیلاب روکنے کے لئے اللہ کی توفیق سے فرزندانِ مدارس ہی کھڑے ہوئے ہیں، یاکم ازکم انھوں نے اس سلسلہ میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں، انھوں نے الحاد، احکام شریعت کی بے جا تاویل اورآیاتِ قرآنی کی انحراف آمیز توضیح کو پوری قوت کے ساتھ روکا ہے، انھوں نے حدیثِ نبوی کی حجیت، دین میں اس کی اہمیت اوراس کے اعتماد واستناد کے خلاف چلائے جانے والی منظّم تحریک — جو ہندوستان سے مصر تک پوری قوت، مغرب کی تائید اور بعض دفعہ سربراہانِ ملک کی پشت پناہی کے ساتھ آگے بڑھائی گئی — کا بھرپور اورمؤثر مقابلہ کیا ہے، رسول اللہ ﷺ کی عظمت، ان کی سیرت کی نزاہت وپاکیزگی اورختم نبوت پر جب بھی کسی گروہ نے پتھر پھینکنے کی کوشش کی، علماء نے اس کا مقابلہ کرنے اور ناموس نبوت کی حفاظت کرنے کواپنے جگر پاروں کے رگ گلو کی حفاظت سے بھی زیادہ اہمیت دی ہے، مسلمانوں کو جب بھی دعوتِ ارتداد دی گئی، خواہ آریہ سماجیوں کی طرف سے ہو یا عیسائیوں کی طرف سے، اس کی

☆ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے زیر اہتمام ’’دینی مدارس میں معاشیات کی تعلیم‘‘ کے موضوع پر منعقدہ سیمینار میں دیا جانے والا خطبۂ افتتاحیہ۔

مزاحمت اور اسلام کی طرف سے مدافعت کو فرزندانِ مدارس نے اپنی سب سے بڑی ذمہ داری سمجھا اور اس راہ میں پھانسی کے پھندوں اور قید و بند کی زنجیروں کو بھی خاطر میں نہیں لائے ، دین میں جب بھی انحراف پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تو ان ہی علماء نے بلاخوفِ لومۃ لائم اس کا مقابلہ کیا اور دین کی اس محبت اور سنت رسول پر اس جانثاری کی وجہ سے دشنام طرازی اور تکفیر کے تیر بھی سہے، احکام شریعت کو جب بھی مجروح کرنے اور اُمت مسلمہ کو اس سے محروم کرنے کی کوشش کی گئی ،تو ان ہی علماء نے اس فتنہ کی سنگینی کو محسوس کیا اور اس کے مقابلہ کے لئے اُمت کو للکارا، اسی قدسی گروہ نے ملک کو آزاد کرانے میں نہایت اہم کردار ادا کیا اور اللہ کی زمین پر اللہ کی شریعت کو نافذ کرنے کی حتی المقدور کوششیں کی ۔

یہ تو علماء کی حفاظتی اور دفاعی خدمات کی چند جہتیں ہیں ؛لیکن اس کے علاوہ مثبت طریقہ پر مسلمانوں کو دین سے مربوط رکھنے کے لئے علماء نے جو کوششیں کی ہیں، وہ تاریخ کا ایسا روشن باب ہے کہ اخیر دور میں شاید ہی اس کی کوئی نظیر مل سکے ، لوگ اسٹیج پر تعلیم کو عام کرنے کی باتیں خوب کہتے ہیں ؛ لیکن خود ان داعیانِ تعلیم نے اپنے دروازوں کو متمول اور دولت مند لوگوں تک محدود کر رکھا ہے، جو لوگ غریبوں کی جھونپڑیوں میں علم کا چراغ جلاتے ہیں اور شہر کی رونقوں سے دور قریوں اور دیہاتوں میں علم کا آبِ حیات پہنچاتے ہیں ، وہ یہی علماء اور ان کے زیر انتظام دینی درسگاہیں ہیں ، یہ درسگاہیں نہ صرف مسلمانوں کو دین واخلاق اور تہذیب وتمدن سے آراستہ کرتی ہیں ؛ بلکہ ارتداد اور بے دینی سے ان کی حفاظت بھی کرتی ہیں ،اس کے علاوہ آج مسلمانوں میں جو کچھ سماجی واصلاحی کام ہو رہا ہے، حلال وحرام کی فکر پائی جارہی ہے اور دینی حمیت اور ایمانی غیرت باقی ہے، وہ ان ہی مدارس اور ان کے فضلاء کی کاوشوں کا نتیجہ ہے ۔

زمانہ جوں جوں گذرتا جارہا ہے، حالات نازک سے نازک تر ہوتے جارہے ہیں، آج عالمی سطح پر اسلام کو بدنام کرنے اور مسلمانوں کو رسوا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، کمیونزم کے زوال کے بعد مغرب نے محسوس کرلیا ہے کہ اسلام ہی اس کا سب سے بڑا رقیب ہے اور سرمایہ دار نظام کو اب صرف اسلام سے مقابلہ درپیش ہے، انھیں اس بات کا بخوبی احساس ہے کہ ایک نظام حیات کا مقابلہ دوسرے نظام حیات ہی سے ہوتا ہے، آہن وآتش کے ذریعہ زمینیں فتح کی جاسکتی ہیں ،ملکوں کے نقشے بدلے جاسکتے ہیں ، لوگوں کی گردنیں جھکائی جاسکتی ہیں ؛ لیکن اس کے ذریعہ دل ودماغ کو فتح نہیں کیا جاسکتا، اس کے ذریعہ اقلیم قلب کی کشور کشائی نہیں ہوسکتی اور فکر وعقیدہ کو شکست نہیں دی جاسکتی ، وہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ اُمت اتنی سخت جان ہے کہ ہزار ابتلاؤں اور آزمائشوں کے باوجود وہ دامن نبوت کا ایک تار بھی چھوڑنا نہیں چاہتی اور اسلام کی کشش اور جاذبیت کچھ ایسی ہے کہ میدانِ جنگ کے سورما اور تیغ وشمشیر کے شہسوار بھی اس کے آگے جبین اعتراف خم کر رہے ہیں اور فاتح خود مفتوح بنے جاتے ہیں ؛ اس لئے آج

اسلام پر ہمہ پہلو یلغار کی جارہی ہے اوراس کے لئے ہر طرح کی تلبیس وتحریف کا راستہ کھول دیا گیا ہے، اس پس منظر میں علماء کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔

یہ امر محتاجِ اظہار نہیں کہ شریعتِ اسلامی کا ایک امتیازی وصف اعتدال وتوازن اور انسانی فطرت سے ہم آہنگی ہے، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسان معاش کا محتاج ہے، وہ اس سے محروم رہ کر زندگی کی راہ میں چند قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا؛ چنانچہ اسلام نے نہ صرف کسبِ معاش کو جائز رکھا؛ بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی، قرآنِ مجید نے مال کو''خیر''(العادیات:۸) اور''فضل الٰہی''(الجمعة:۱۰) سے تعبیر کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اللہ کے بندوں کی ضروریات کی تکمیل کے لئے کسبِ معاش کو دوش بدوش رکھتے ہوئے فرمایا گیا کہ جب نماز سے فارغ ہوجاؤ تو روزی کی تلاش کی سرگرمیوں میں لگ جاؤ:''فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللهِ''(الجمعة:۱۰) — اگر دولت اس کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ حاصل کی جائے، تو اسلام نے اس کی مذمت نہیں کی ہے؛ اسی لئے ہمیں قرآنِ مجید میں صاحب ثروت پیغمبروں کا اور حدیث میں صاحبِ ثروت صحابہ کا ذکر ملتا ہے، اور ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن میں زکوٰۃ لینے کا ذکر تو غالبًا ایک ہی جگہ ہے، لیکن زکوٰۃ دینے کا حکم مختلف الفاظ میں ۶۵ جگہ ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ زکوٰۃ دولت مند ہی پر واجب ہوتی ہے۔

البتہ اسلام نے کسبِ معاش کی ایسی بے قید اجازت بھی نہیں دی کہ انسان اخلاقی اور انسانی حدود سے باہر چلا جائے؛ اسی لئے شریعت نے مال کے سلسلے میں دونوں پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، ایک یہ کہ مال کس طرح کمایا جائے، دوسرے یہ کہ مال کہاں خرچ کیا جائے؟ کسب کے ذرائع کیا ہوں اور خرچ کے مواقع کیا ہوں؟ ان دونوں جہتوں میں ایسے احکام دیئے گئے ہیں کہ معاشرہ میں انصاف قائم ہو، ہر شخص کو اپنی محنت کا پھل ملے؛ لیکن وہ بالکل خود غرض نہ ہوجائے، وہ ایسی اجتماعی ملکیت کا بھی قائل نہیں، جس میں افراد درخت اور پتھر کی طرح بے اختیار ہوجائیں اور انھیں روبوٹ تصور کرلیا جائے؛ کیوں کہ ذاتی منافع کی طلب یقینًا ایسی چیز ہے، جس سے معاشی تگ ودو کے جذبات پروان چڑھتے ہیں اور پھر اس سے معیشت کو ترقی حاصل ہوتی ہے، اور وہ ایسی انفرادی ملکیت کا بھی قائل نہیں، جس کی بنیاد خود غرضی، استحصال اور حق تلفی پر ہو اور جس میں ایثار، دوسروں کی رعایت اور انفاق کے لئے کوئی جگہ نہ ہو، قرآن وحدیث کی معاشی تعلیمات اور مسلمان فقہاء کے اجتہادات کی یہی بنیاد ہے۔

معیشت کی اہمیت کی وجہ سے یہ موضوع ہمیشہ سے علماء کی فکر کا محور رہا ہے، تدوین فقہ کے بالکل ابتدائی دور میں ہمیں امام محمد بن حسن شیبانی کا نام ملتا ہے، جنھوں نے''کتاب الکسب''تالیف فرمائی اور اس میں کسب کے جائز وناجائز ذرائع اور ان سے متعلق فضائل واحکام پر روشنی ڈالی، یہ اصل کتاب تو غالبًا اب تک شائع نہیں ہوسکی ہے؛ لیکن اس کا خلاصہ علامہ ابوبکر محمد بن احمد سرخسی (م:۴۸۳ھ) نے اپنی کتاب''المبسوط''میں درج کیا ہے، اسی طرح

ابتدائی دور کی کتابوں میں ہمیں قاضی ابو یوسف کی ''کتاب الخراج'' اور علامہ ابو عبید کی ''کتاب الاموال'' بھی ملتی ہے، جس کا تعلق ایک اسلامی حکومت کی مدات آمدنی اور مداتِ خرچ سے ہے، ذیلی طور پر فقہ المعاملات کی بحثیں ہمیں ان فقہی کتابوں میں تو ملتی ہی ہیں، جن میں تمام مسائل کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ان کے علاوہ جو کتابیں ''احکام سلطانیہ'' یعنی حکومتی قوانین ''احکام قضا'' یعنی عدالتی قوانین اور ''احکام سیر'' یعنی بین قومی تعلقات سے متعلق قوانین پر لکھی گئی ہیں، ان میں بھی اقتصادیات سے متعلق احکام اچھے خاصے آجاتے ہیں، غرض کہ ہمارے فقہاء نے ان مسائل کو ہمیشہ خصوصی اہمیت دی ہے۔

صنعتی ترقی کے بعد معاشی نظام کے سلسلے میں جو نئے افکار پیدا ہوئے، انھیں نظریہ کی حیثیت سے ترقی حاصل ہوئی، اور عالمی سطح پر وہ غور وفکر اور عملی کوششوں کا محور بن گئے، نیز اشتراکیت اور سرمایہ داری نے ایک نظام حیات کی شکل اختیار کرلی، اس پس منظر میں اسلام کے معاشی نظام کی توضیح اور اس کی تطبیق کے سلسلے میں علماء نے مفید کاوشیں کی ہیں، گو خلافتِ عثمانیہ کے سقوط اور مسلم ممالک میں تمام شعبہ ہائے حیات میں اسلام کی حکمرانی سے گریز کی وجہ سے ان کو اس درجہ فروغ حاصل نہیں ہوسکا، جو ہونا چاہئے تھا، مقام مسرت ہے کہ ان کاوشوں میں علماء ہند کی بھی نمایاں خدمات ہیں، غالباً موجودہ دور میں اس موضوع پر پہلی کتاب مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی ''اسلامی معاشیات'' ہے، جو بڑے سائز کے تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے اور اس موضوع پر مولانا نے بڑی نادر تحقیقات پیش کی ہیں، انھوں نے اپنے آپ کو صرف قدماء کے افکار کا اسیر نہیں رکھا ہے؛ بلکہ قارئین اس میں ''قال'' کے ساتھ ''اقول'' کا بھی بڑا سرمایہ پائیں گے، مولانا ہی کی نگرانی میں ان کے ایک فاضل شاگرد ڈاکٹر محمد یوسف الدین نے بھی اس موضوع پر مقالہ لکھا، اور ڈاکٹر انور اقبال قریشی سابق صدر شعبۂ معاشیات عثمانیہ یونیورسٹی نے بھی دو ضخیم جلدوں میں ''اسلام کے معاشی نظریئے'' کے نام سے اپنا تحقیقی مقالہ پیش کیا، اس طرح مولانا گیلانی کو اس اہم شعبہ میں سبقت واولیت کا شرف حاصل ہے اور آج بھی اس کی وقعت اور قدر و قیمت روزِ اول کی طرح باقی ہے۔

مولانا گیلانی کے بعد اس سلسلے میں دوسرا اہم نام مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کا لیا جاسکتا ہے، ان کی کتاب ''اسلام کا اقتصادی نظام'' —— جو مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کی خواہش پر لکھی گئی اور ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہوئی —— اپنے موضوع پر نہایت اہم اور جامع تالیف ہے، اس کے بعد اس موضوع سے متعلق علمی خدمات میں تین شخصیتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ہندوستان سے ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی اور ڈاکٹر احمد علی ندوی، جن میں سے اول الذکر کا کام طریقۂ استثمار پر ہے اور ثانی الذکر کا مالیات سے متعلق فقہی قواعد پر، اور تیسری شخصیت پاکستان سے مولانا محمد تقی عثمانی کی ہے، جن کی تالیفات عام طور پر مقبول ومتداول ہیں، عالم اسلام میں اس وقت علماء

اور معاشی ماہرین کی ایک قابل لحاظ تعداد نیز متعدد ادارے اسلامی معاشی نظام کی تشکیل وترقی کے سلسلے میں اہم خدمات انجام دے رہے ہیں، یہ بظاہر عجیب بات محسوس ہوتی ہے کہ اس موضوع پر کام کا آغاز تو ہندوستان میں ہوا؛ لیکن ہندوستان میں اس کام کو وہ توجہ حاصل نہیں ہو سکی، جو عالم اسلام اور عالم عرب میں ہوئی، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم اسلام میں اسلامی طرز معیشت کو عملی شکل دینے کے مواقع مہیا تھے؛ گو مسلم حکومتوں نے اس پر کما حقہ توجہ نہیں کی، اور ہندوستان کے معاشی قوانین اسلامی مالیاتی نظام کے قیام میں حارج ہیں، خدا کرے جلد ایسے موانع دور ہو جائیں۔ **وما ذلک علی اللہ بعزیز**.

عصر حاضر میں اسلام کے معاشی نظام کے مطالعہ اور اس کی مشکلات کو حل کرنے کی اہمیت اس لئے بڑھ گئی ہے کہ جنگ عظیم اول کے بعد معاشی نظام کے اعتبار سے دنیا دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی، سرمایہ داری اور کمیونزم، ان دونوں نظاموں کی کشمکش اور آویزشیں اتنی بڑھتی گئیں کہ بعض اوقات تو دونوں بلاک میں ایٹمی جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی، ۱۹۹۲ء کے بعد جب روس پارہ پارہ ہوا، تو گویا اشتراکی نظام کا دار الخلافہ ہی اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور اب سرمایہ دارانہ نظام بلا شرکت غیرے پوری دنیا پر حاوی ہے یا ہونے کے لئے کوشاں ہے، اب اس وقت دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام کے مقابل اگر کوئی نظام ہے تو وہ اسلام ہے، یہی وہ حقیقت ہے، جو سرمایہ دارانہ ممالک کو مضطرب کئے ہوئی ہے؛ کیوں کہ وہ اس حقیقت سے خوب واقف ہیں کہ اسلحہ سے زمینیں فتح کی جاسکتی ہیں، فکر ونظر کو جیتا نہیں جاسکتا، 'افکار' افکار ہی سے شکست کھاتے ہیں، تاتاری مسلمانوں سے کہیں زیادہ طاقتور تھے؛ لیکن ان کے پاس کوئی فکری نظام نہیں تھا؛ اس لئے آخر مسلمانوں کے فاتح اسلام کے مفتوح بن گئے۔

یہی وجہ ہے کہ اس وقت مغرب اسلام کے معاشی وسماجی قوانین کو معاشی وسماجی ترقی میں رکاوٹ اور معاشی اداروں کے استحکام کے لئے نقصاندہ قرار دیتا ہے اور اسلامی مالیاتی اداروں کو ناکام کرنے کے لئے کوشاں رہتا ہے، ان حالات میں فقہاء اسلام کی ذمہ داری ہے کہ وہ موجودہ دنیا — جو صنعتی ترقی کے اوج کمال پر ہے اور جس نے مشرق ومغرب کے فاصلوں کو سمیٹ دیا ہے — کی ضرورتوں کو پورا کرتے اور دشواریوں کو حل کرتے ہوئے اسلامی معاشی نظام کا ڈھانچہ بنائیں اور جو معاشی ادارے آج کی ضرورت بن چکے ہیں، ان کو اسلامی پیکر عطا کریں، نیز انھیں سرمایہ دارانہ نظام کی ناانصافی سے بچاتے ہوئے لوگوں کے لئے قابل عمل بنائیں، اور موجودہ حالات اس کے لئے موزوں ترین حالات ہیں؛ کیوں کہ ۲۰۰۸ء سے پوری دنیا جس مالی بحران سے دوچار ہے اور جس نے معاشی دنیا میں ایک زلزلہ سا برپا کر دیا ہے، اس نے سرمایہ دارانہ نظام کی ناکامی کو پوری طرح واضح کر دیا ہے؛ حالاں کہ مغربی طاقتیں کھل کر یہ کہنے کو تیار نہیں ہیں؛ لیکن دبے لفظوں میں بعض حقیقت پسند ماہرین اس کا اعتراف بھی کر رہے ہیں؛ اس لئے اس وقت خاص طور پر اس دور کے فقہاء کو اس کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔

اس وقت مالیاتی نظام میں تین اداروں کی خاص اہمیت ہے، بینک، اسٹاک ایکسچینج اور انشورنس کمپنیاں، یہ تینوں ادارے موجودہ صنعتی دور کے لئے ضرورت کا درجہ رکھتے ہیں، بینک کھاتہ داروں کی رقم کی حفاظت کرتا ہے، بروقت اس کی واپسی کو یقینی بناتا ہے، کاروباری مقاصد اور دوسری ضرورتوں کے لئے بڑے بڑے قرضے دیتا ہے، رقوم کی ترسیل میں واسطہ بنتا ہے، اپنے کھاتہ داروں کو نفع دیتا ہے، شیئرز کمپنیاں بڑے کاروبار کے لئے رقم فراہم کرنے کا نہایت اہم ذریعہ ہیں، اس کے ذریعہ عام لوگ بڑی بڑی کمپنیوں تک رسائی حاصل کرسکتے ہیں اور اپنا سرمایہ لگا سکتے ہیں، بھاری صنعتوں، فاصلاتی تجارت اور ایکسپورٹ امپورٹ، صنعتی فضلات کی کثرت کی وجہ سے خطرناک بیماریوں کی کثرت ایسی چیزیں ہیں کہ ان کی وجہ سے خطرات بہت بڑھ گئے ہیں، ان خطرات کا مداوا انشورنس سے ہوتا ہے، اس لئے ہم ان اداروں کو غیر ضروری نہیں کہہ سکتے اور ایسے حالات میں جب کہ عالمی سطح پر معیشت باہم مربوط ہوگئی ہے، ایسے اداروں کے بغیر کسی ملک کے وجود کا تصور بھی نہیں کرسکتے؟ مگر افسوس کہ آج ان اداروں کی نشو ونما جن دماغوں کے ذریعے ہورہی ہے، انھوں نے ان مفید اور اہم خدمات انجام دینے والے اداروں کے رگ وریشہ میں ربا وقمار کو داخل کردیا ہے، اب ہمارا فرض ہے کہ جیسے مریض کے جسم کو بچاتے ہوئے اس کی بیماری کا علاج کیا جاتا ہے، اسی طرح ہم ان اداروں کو باقی رکھتے ہوئے اس کی خامیوں کو دور کریں اور اسے پوری طرح اسلام کے رنگ میں رنگ دیں۔

اللہ کا شکر ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں سود، قمار اور محرمات سے پاک بینک انشورنس، میچول فنڈ اور شیئرز میں سرمایہ کاری کو فروغ دینے کی کوشش کی جارہی ہے، اگر یہ کہا جائے کہ اسلامک بینکنگ کی کوششوں میں مسلمانانِ ہند کو اولیت حاصل ہے، تو غلط نہیں ہوگا؛ کیوں کہ ۱۸۵۶ء میں حیدرآباد دکن میں غیر سودی سوسائٹی پہلی بار قائم ہوئی، حیدرآباد ہی میں ۱۹۲۵ء میں انجمن امداد قرض بلاسود کا قیام عمل میں آیا، غالباً ۱۹۳۶ء میں مسلم فنڈ قائم ہوا، اس کے علاوہ بھی ہندوستان کے شمالی اور جنوبی علاقوں میں بعض ادارے قائم ہوتے رہے، عالم اسلام میں اس کا نقطۂ آغاز مصر کے ایک قریہ مِت غمر کو قرار دیا جاتا ہے، جہاں ۱۹۶۲ء میں غیر سودی کوآپریٹیو بینک کا قیام ہوا، اسلامک بینکوں کے لئے استثمار کا بھی سب سے پہلا ماڈل ''مضاربہ ماڈل'' کے نام سے الٰہ آباد کے ایک پروفیسر نے پیش کیا، ۱۹۷۴ء میں دبئی اسلامک بینک قائم ہوا، جو ایک مکمل بینک تھا، ۱۹۷۵ء میں (IDB) کا قیام عمل میں آیا اور ۱۹۷۶ء میں شاہ فیصل نے سوڈان اور بحرین وغیرہ میں اسلامی بینک قائم کئے۔

واقعہ ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں اسلامک بینکنگ کو پذیرائی حاصل ہورہی ہے، یہاں تک کہ غیر مسلم مالکان بھی مسلمانوں کا سرمایہ حاصل کرنے کے لئے اپنے یہاں اسلامی استثمار کا کاؤنٹر کھول رہے ہیں اور غیر مسلم کمپنیاں بھی اسلامی انشورنس کی دہائی دے رہی ہیں، ان حالات میں ایک طرف تو ایسے افراد کی ضرورت ہے، جو

جدید معاشی نظام سے واقف ہوں اور فقہ اسلامی پر ان کی گہری نظر ہو، دوسری طرف ان اداروں کی نگرانی کی ضرورت ہے؛ تاکہ اسلام کے نام پر قائم ہونے والے یہ ادارے صحیح راستے سے منحرف نہ ہو جائیں اور دین کے نام پر بے دینی کو رواج دینے کا ذریعہ نہ بن جائیں، ان دونوں مقاصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ دینی مدارس میں اسلامی معاشیات کو داخل کیا جائے؛ کیوں کہ ملت کے مختلف کاموں کے لئے افراد سازی کا اس سے بڑا اور کوئی مرکز نہیں، ان کی حیثیت پاور ہاؤس کی ہے، جس سے اُمت کے تمام کاموں کے لئے انرجی حاصل ہوتی ہے، یہ اُمت کے لئے قلب کا درجہ رکھتے ہیں، جو اس جسم کے ایک ایک عضو کو خون پہنچاتا ہے، اس وقت یہ مذاکرہ تین اداروں کے اشتراک سے منعقد ہو رہا ہے اور یہ تینوں ہی ادارے سودی نظام کی جگہ غیر سودی نظام کو لانے کے لئے اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق کوشاں رہے ہیں، (IDB) عالمی سطح کا نہایت فعال ادارہ اور سب سے بڑا اسلامی بینک ہے، جو مالیاتی اداروں کے ساتھ بڑے پیمانے پر رفاہی کام بھی انجام دیتا ہے اور ہم اور آپ سب اس کی وسیع خدمات سے واقف ہیں، انسٹیٹیوٹ آف آبجیکٹو اسٹڈیز کے قیام کو بیس سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے، اس عرصہ میں اس نے علم وتحقیق کے بڑے اہم کام انجام دیئے ہیں اور مختلف شعبوں میں دور رس منصوبہ بندی کے ساتھ کاموں کا آغاز کیا ہے، اس کی خدمات آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں، غیر سودی سرمایہ کاری کے لئے بھی اس نے بڑی کاوشیں انجام دی ہیں اور ایسے اداروں کی مدد کے لئے ''شریعہ بورڈ'' بھی تشکیل دیا ہے۔

تیسرا ادارہ ''اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا'' ہے، جس کا بنیادی مقصد ہی عصر حاضر میں پیدا ہونے والے شرعی وفقہی مسائل کو حل کرنا ہے، اب اس نے بیسویں سال میں قدم رکھا ہے، بحمد اللہ ملک وبیرونِ ملک میں اس کو قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، نئے مسائل پر اس کے اٹھارہ سیمنار منعقد ہو چکے ہیں، جس میں ۱۷۵ موضوعات سے زیادہ عصری مسائل زیر بحث آئے ہیں، مالیاتی مسائل پر شروع سے اکیڈمی کی خصوصی توجہ رہی ہے، اسلامی معاشیات کا مثبت حصہ زکوۃ وعشر سے متعلق ہے؛ چنانچہ ان موضوعات پر ایک سے زیادہ مستقل سیمینار منعقد ہوئے ہیں، اس کا سلبی پہلو نظام معیشت کی سود وقمار سے تطہیر اور جدید معاشی اداروں کے اسلامی متبادل کی نشاندہی ہے؛ چنانچہ بینک انٹرسٹ، غیر سودی قرض دینے والے اداروں کی ہیئت، انشورنس، اسلامی بینکنگ کے مسائل —— مرابحہ، بیع بالتقسیط وغیرہ —— نیز کریڈٹ کارڈ، ملٹی لیول مارکٹنگ اور ان جیسے بہت سے موضوعات کو اکیڈمی نے بحث کا موضوع بنایا ہے اور اجتماعی طور پر ان کے بارے میں شرعی رہنمائی کی ہے، یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہندوستان میں غیر سودی بینکاری کے امکانات کی تلاش میں اکیڈمی نے بڑی کاوشیں کی ہیں، اس کے لئے ماہرین معاشیات، معاشی قوانین کے ماہرین اور مفتیانِ کرام کا ایک گروپ بنایا گیا اور بڑی دقت نظر کے ساتھ اس پر غور کیا گیا اور بالآخر اس پر پروجیکٹ رپورٹ تیار کی گئی، جس کی مولانا محمد تقی عثمانی (پاکستان) اور ڈاکٹر انس زرقاء (سعودی عرب)

جیسے عالم اور ماہر معاشیات نے بڑی تحسین کی، گوساری محنتوں کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا گیا کہ ہندوستان کے موجودہ قوانین کے تحت ایک مکمل اسلامی بینک کا قیام یہاں ممکن نہیں ؛ البتہ کوآپریٹو سوسائٹی کے ذریعہ اسلامی طریقہ پر استثمار کی کوشش کی جاسکتی ہے۔

آج اس موضوع پر ملک بھر سے دینی مدارس کے ذمہ داروں اور نمائندہ شخصیتوں کو جمع کرنا ان تینوں اداروں کے لئے یقیناً سعادت وشرف کی بات ہے، جس کا مقصد اللہ کی زمین پر اللہ کی شریعت کے نفاذ کے لئے راستہ ہموار کرنا ہے، ان کلمات کو ختم کرتے ہوئے بے ساختہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نوکِ قلم پر آتا ہے :

إن مثل العلماء في الأرض كمثل النجوم في السماء يهتدى به في ظلمات البر والبحر ، فإذا انطمست النجوم أو شک أن تضل الهداة . (۱)

زمین میں علماء کی مثال آسمان پر ستاروں کی طرح ہے، جس کے ذریعے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں رہنمائی حاصل کی جاتی ہے، اگر تارے ماند پڑ جائیں، تو بعید نہیں کہ صحیح راستہ چلنے والے بھی بھٹک جائیں۔

دُعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مذاکرہ کو ثمر آور اور نتیجہ خیز بنائے اور ہمیں ایسے فیصلوں کی توفیق عطا فرمائے، جن میں اس کی رضا وخوشنودی ہو۔

اللهم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه ، وأرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه .

○ ○ ○

---

(۱) مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۲۱۸۹